مطالعۂ قرآن حکیم
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ ہود

آیات ۱۱۶ —— ۱۱۹

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ ج وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○

"تو افسوس کہ نہ ہوئے تم سے پہلے کی اُمتوں میں صاحبِ خیر و شعور لوگ جو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے، سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جنھیں اُن میں سے ہم نے بچالیا۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کی روش اختیار کی تو وہ اُسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جس کا ساز و سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دے دیا گیا تھا اور مجرم تو وہ تھے ہی! اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دے دراں حالیکہ ان کے باسی اصلاح کے لیے کوشاں ہوں۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے پر عامل بنا دیتا (لیکن اس نے یہ جبر نہیں کیا) تو وہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے، سوائے ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو، اور اسی لیے تو اُس نے ان کو پیدا فرمایا۔ اور (اس طرح) تیرے رب

کی وہ بات پوری ہو کر رہی کہ میں جہنّم کو جنّوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا:

قرآن حکیم کی دوسری متعدد مکّی سورتوں کی طرح سورۂ ہود میں بھی عرب اور اس کے گرد و نواح کی ان چھ اقوام کی ہلاکت کا ذکر آیا ہے جن کی جانب اولوالعزم رسول بھیجے گئے لیکن انہوں نے ان کی دعوتِ اصلاح پر کان نہ دھرے اور کفر و اعراض کی روش پر اصرار کیا یعنی قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور آلِ فرعون۔ اس پر ایک سلیم الفطرت انسان کے ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کوئی اذیت پسند (Sadist) ہستی ہے جسے ہلاکت اور بربادی و تباہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے؟ یا یہ لوگوں کے اپنے طرزِ عمل کا نتیجہ اور ان کے اپنے جرائم کی سزا تھی؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو واقعی نیکی یا بدی کی راہ اختیار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ہی راہِ صواب پر نہ ڈال سکتا تھا؟ اور اگر اس نے نیکی اور بدی کا اختیار انسان کو دیا ہے تو پھر اس ضمن میں وہ کون سی حد ہے کہ جس تک کوئی انسانی معاشرہ پہنچ جائے تو اسے مزید مہلت نہیں ملتی اور اسے عذابِ استیصال یا عذابِ ہلاکت کا نوالہ بنا دیا جاتا ہے؟ چنانچہ ان ہی سوالات کے جوابات ہیں جو سورہ کے آخر میں آیات ۱۱۶ تا ۱۱۹ میں دیئے گئے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ترتیبِ بیان اس فطری و منطقی اعتبار سے ہے کہ اقوامِ معذّبہ کے ذکر کے فوراً بعد اس سوال کا جواب دیا گیا کہ یہ اس انجام سے کیوں دوچار ہوئیں اور پھر اصولی بحث کو چھیڑا گیا۔ لیکن ہم اگر بغرضِ تفہیم عکسی ترتیب اختیار کریں تو بہتر رہے گا۔ چنانچہ آیت ۱۱۸ میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی "اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راہِ مستقیم کر دیتا اور ظاہر ہے کہ یہ راہ نیکی اور خیر ہی کی ہوتی۔ اللہ کو یقیناً اس کی قدرت حاصل ہے، اگر وہ جبر کے ذریعے لوگوں کو سیدھی راہ پر ڈالنا چاہتا تو نہ کوئی گمراہ ہو سکتا تھا نہ کج رو اور نہ کسی کفر کا امکان رہتا نہ شرک کا۔ نہ نبیوں کی ضرورت رہتی نہ رسولوں کی اور نہ کسی عذابِ دنیوی کا سوال رہتا نہ کسی سزائے اُخروی کا! لیکن اللہ نے ایسا نہ چاہا۔ اس کی حکمتِ تخلیق بالکل دوسری ہے۔ اُس نے جنّوں اور انسانوں کو اختیار اور ارادے کی آزادی بخشی ہے کہ سورۃ الدہر میں وارد شدہ الفاظ "اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" کی رُو سے شکر کی روش اختیار کریں یا کفرانِ نعمت کی اور سورۂ کہف میں وارد شدہ الفاظ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" کی رُو سے جو چاہے ایمان کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کی روش اختیار کر لے۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ وہ ہے

جو آیات زیرِ درس میں ان الفاظ میں بیان ہوا کہ "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ" کہ وہ لازماً اختلاف کرتے ہیں گے۔ ان میں سے وہ بھی ہوں گے جو اپنے ارادہ و اختیار سے نیکی کی راہ کا انتخاب کریں گے اور اس میں اتنے آگے بڑھیں گے کہ فرشتوں کو پیچھے چھوڑ جائیں گے، جو سرکشی اور تمرّد اور شیطنت کی راہ میں ایسے بگٹٹ دوڑیں گے کہ خود شیطان پناہ مانگے گا اور وہ بھی ہوں گے جو کچھ بین بین یا کبھی اُدھر کبھی اِدھر کی روش پر گامزن رہیں گے۔ جیسے کہ فرمایا سورۂ فاطر میں "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ" یعنی "کچھ ان میں سے ظلم ڈھانے والے ہیں خود اپنے اوپر، اور کچھ ہیں میانہ رو، اور کچھ ہیں نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اللہ کی توفیق سے!"

آیاتِ زیرِ درس میں "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" یعنی "سوا ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو جائے" کے الفاظ میں اشارہ ہے اسی حقیقت کی جانب کہ اس ارادہ و اختیار کے صحیح رخ پر استعمال ہونے میں بہت بڑا دخل اللہ کے فضل و کرم اور اس کی تائید و توفیق کو حاصل ہے۔ اس کے بعد جو الفاظ وارد ہوتے ہیں: "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" یعنی "اور اسی کے لیے اُن کو پیدا کیا ہے" تو ان کا ظاہر و باہر مفہوم تو یہی ہے کہ یہ اختلافِ نیک و بد اور سعید و شقی اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کا لازمی نتیجہ ہے، لیکن "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے ساتھ بالکل متصل واقع ہونے سے ان میں ایک اشارہ محسوس ہوتا ہے اس جانب بھی کہ تخلیقِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اصل شان جس کا ظہور مطلوب ہے شانِ رحمت ہی ہے، بقولِ شاعر ؎

من نکردم خلق تا سُودے کنم بلکہ کردم خلق تا جُودے کنم!

یعنی "میں نے یہ تخلیق اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں کی ہے بلکہ اس لیے کی ہے کہ میرے رحم و کرم اور جود و سخا کا ظہور ہو سکے!" رہی سزا اور عقوبت اور عذابِ دنیوی و اُخروی تو وہ تو "تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا" کے مصداق شانِ رحیمی و غفاری ہی کے مزید واضح اور اجاگر ہونے کا ذریعہ ہیں۔ واللہ اعلم!!۔ واضح رہے کہ اس مسئلے کا ایک ربط آیات ۱۰۶ تا ۱۰۸ میں جنت اور دوزخ کی ابدیت کے ضمن میں وارد شدہ لطیف سے فرق سے بھی ہے جس پر گفتگو اس سے قبل ہو چکی ہے۔

آیت ۱۱۹ کے آخری ٹکڑے میں ارادہ و اختیار کی اس آزادی کا ایک ناگزیر نتیجہ جو نکل کر رہے گا اُس کا ذکر تہدید آمیز انداز میں کر دیا گیا کہ تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پُر کر کے رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذرا سے لفظی اختلاف کے

ساتھ ابلیسِ لعین کے اس دعوے کے جواب میں وارد ہوا ہے کہ میں نسلِ آدم کی عظیم اکثریت کو گمراہ کر کے دکھا دوں گا۔

اب آیئے دوسرے سوال کی جانب کہ کسی بستی یا کسی قوم پر عذابِ استیصال یا عذابِ ہلاکت آنے کا قاعدہ کلیہ کیا ہے، اور وہ کونسی حد ہے جس کو پہنچ جانے کے بعد مزید مہلت نہیں ملتی اور قصہ پاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کا جواب آیت ۱۱۷ میں وارد ہوا کہ: وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ یعنی "تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بڑے بڑے ظلم پر بھی کسی بستی کو تباہ کر دے جبکہ اس کے باشندے اصلاح کے لیے بھی کوشاں ہوں"۔ یہاں ظلم کی تنکیر تفخیم کے لیے ہے۔ انفرادی سطح پر کیے گئے بڑے سے بڑے کفر و ظلم پر بھی اللہ تعالیٰ اجتماعی ہلاکت کا حکم صادر نہیں فرماتا جب تک کہ معتدبہ لوگ اصلاح کے لیے بھی سرگرمِ عمل ہوں۔ البتہ جب یہ صورت بھی نہ رہے اور بگاڑ اتنا ہمہ گیر ہو جائے کہ اصلاح کی کوشش کرنے والے آٹے میں نمک بن کر رہ جائیں تو پھر قانونِ خداوندی کے تحت عمومی ہلاکت و بربادی کا حکم صادر ہو جاتا ہے اور اس سے صرف وہی معدودے چند لوگ مستثنیٰ ہوتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بالفعل کاربند ہوں اور اصلاح کے لیے آخری دم تک سرتوڑ کوشش کرتے رہیں۔ کچھ اسی مضمون کو علامہ اقبال نے اس شعر میں ادا کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے کہ ؎

"فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے ۔۔۔ نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف"

اب آیئے آیت ۱۱۶ کی جانب تو اس میں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ وہ چھ اقوامِ معذبہ اللہ تعالیٰ کے اسی قانونِ عذابِ عمومی کی زد میں آ کر ہلاک ہوئیں۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ یعنی "تو افسوس کہ تم سے پہلے کی ان قوموں میں نہ رہے وہ اصحابِ خیر و اربابِ عقل و دانش جو روکتے (لوگوں کو) زمین میں فساد مچانے سے سوائے نہایت قدرِ قلیل کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا!" 'اُولُوْا بَقِيَّةٍ' عربی محاورے میں کہتے ہیں ان کو جو صاحبِ عقل و دانش بھی ہوں اور صاحبِ برّ و خیر بھی۔ اور "قلیل" عربی میں "a little" کا مفہوم بھی دیتا ہے اور "the little" کا بھی، اور یہاں اسی مؤخر الذکر مفہوم میں وارد ہوا ہے۔ مراد یہ کہ ان اقوام میں اخلاقی پستی اور تمدنی زوال و فساد کا معاملہ اس آخری حد تک پہنچ چکا تھا کہ ان میں ان اصحابِ فہم و شعور اور داعیانِ خیر و صلاح کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم

ہو کر رہ گئی تھی۔ نتیجۃً وہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی جس کا نقشہ کھینچا ہے اقبال نے اس شعر میں کہ ؎

"وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!"

نتیجۃً عذابِ الٰہی کا حکم صادر ہو گیا اور پوری قوم ہلاک کر دی گئی سوائے ان کے جو آخری دم تک اصلاح کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل رہے تھے۔ (واضح رہے کہ اسی کی ایک مثال سورۃ الاعراف میں اصحابِ سبت کے ضمن میں بھی آئی ہے!)

آیات زیرِ درس میں سے آخری آیت میں قوموں کے اس عمومی فساد اور بگاڑ کے اہم عامل کی جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اس کا اصل سبب اصحابِ دولت و ثروت اور اربابِ ناز و نعم بنتے ہیں جن کے پاس لذت کوشیوں اور عیاشیوں کا ساز و سامان فراوانی سے ہوتا ہے اور وہ ان ہی میں مگن رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ اصل مجرم ہوتے ہیں جن کے اثراتِ بد پورے معاشرے پر اکاس بیل کی طرح چھا جاتے ہیں اور پوری پوری قوموں کو لے ڈوبتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔ اللہ تعالیٰ اس انجامِ بد سے ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

● ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
● دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصوّر

از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص /۸، اشاعت عام /۴

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

مسلمانوں کی زبوں حالی کا اصل سبب
اور اس کے تدارک کے لئے کرنے کا اصل کام
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (اسیرِ مالٹا) کے تاثرات

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے' بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کیے جائیں' بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

(ماخوذ از وحدتِ امت' تالیف مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)